یَا اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَرْضِیَۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ.

اے اطمینان والی روح! تو اپنے پروردگار کی طرف چل اس طرح کہ تو اُس کو خوش اور وہ تجھ سے خوش، پھر تو میرے بندوں میں شامل ہوجا۔ اور میری جنت میں داخل ہوجا۔

(بیان القرآن)

فہرستِ مضامین

اداریہ

۱	عرضِ مرتب	انوار احمد	۶
۲	میرِ کارواں چل بسے	معاون مدیر	۷

سوانحی خاکہ

۳	حضرت مولانا سید شوکت علی صاحب نظیر کا سوانحی خاکہ	مولانا سید عبدالمنعم نظیر	۵۱
۴	مولانا شید شوکت علی نظیر-مہد سے لحد تک	مولانا انوار احمد قاسمی	۲۴

نقوش وتاثرات

۵	پیغام	حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی	۳۶
۶	مولانا سید شوکت علی نظیر رحمۃ اللہ علیہ	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۳۷
۷	کوکن کی ایک بزرگ شخصیت	مفتی احمد خانپوری	۴۱
۸	اخلاق وصفات میں اسلاف کا نمونہ	مولانا محمد یوسف متالا	۴۵
۹	مولانا شوکت صاحب کی برگزیدہ شخصیت	مولانا منیر احمد کالینہ	۴۷
۱۰	ایک فرشتہ تھا، نہ رہا	مولانا سید بشیر احمد حدادی	۵۳
۱۱	مثالی زندگی	مولانا بدرالدین اجمل	۵۸
۱۲	سرپرستِ جامعہ	مولانا امان اللہ قاسمی	۶۰
۱۳	محسن ومہربان شخصیت	مولانا علی میاں آرائی	۶۸
۱۴	محبوبیت	مولانا ابراہیم خطیب	۷۴
۱۵	صفاتِ محمودہ کی حامل شخصیت	مولانا مفتی محمد بن عمر گجراتی	۷۷
۱۶	یادِ مشفق ومہربان.....	مولانا زین العابدین فقیہ	۸۱

تعلیم وتدریس

۱۸	مولانا سید شوکت صاحب کی تعلیمی زندگی	مولانا انوار احمد قاسمی	۸۷
۱۹	مولانا شوکت صاحب اور جامعہ ڈابھیل	مولانا احمد بزرگ	۹۳
۲۰	حضرت مولانا سید شوکت صاحب اور جامعہ حسینیہ	مولانا انوار احمد قاسمی	۹۸
۲۱	حضرت مولانا شوکت علی نظیر اور محمدیہ ہائی اسکول	پرنسپل انصاری پرویز محمود	۱۰۷

نقوش منبر ومحراب

۲۲	مولانا سید شوکت صاحب مسجدِ جامع بمبئی میں	مفتی محمد اشفاق قاضی	۱۱۶
۲۳	خطباتِ نظیر ایک مطالعہ	مولانا محمد ابراہیم خطیب	۱۲۸

خراجِ عقیدت

۲۴	کوکن کی شان وشوکت	حافظ داود کودے	۱۴۷
۲۵	علاقۂ کوکن کا خورشیدِ مبین	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	۱۵۶
۲۶	پاکیزہ شخصیت	مولانا عبدالمتین منیری	۱۵۸
۲۷	کوکن کا آفتاب	مولانا عبدالمجیب خیال	۱۶۱
۲۸	علم وعمل کا سنگم	مفتی طاہر سورتی	۱۶۷
۲۹	ملت کے رہنما	مولانا داود عمر مروڈکر	۱۷۱
۳۰	جس ساز کے نغموں سے حرارت تھی دلوں میں	مفتی رفیق پورکر مدنی	۱۷۴
۳۱	ہر کجا کہ رفت قدر وقیمتش دانند	مولانا محمد غلام گجراتی	۱۷۹
۳۲	حضرت مولانا شوکت صاحب کا مقام: اکابر کی نظر میں	مولانا رجب علی برمارے	۱۸۱
۳۳	تو جنازہ گر نہ آئی بمزار خواہی آئی	مولانا محمد پرتا بگڈھی	۱۸۴

شخصیت کے مختلف پہلو

۳۴	چودہویں کا چاند	مولانا مدثر مقادم	۱۸۷

۳۵	کوکن کے آفات وماہتاب	مولانا ارشد عبدالرزاق ساٹویلکر	۱۹۷
۳۶	خردنوازی کے پیکر	قاری عبدالستار راہٹول	۲۰۱
۳۷	ہردلعزیز شخصیت	مولانا بلال تانبے	۲۰۳

وابستہ یادیں

۳۸	اوصاف وکمالات کا حسین امتزاج	مولانا مشتاق عباس یلوکر	۲۰۷
۳۹	ایک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے	مفتی نذیر احمد کرجیکر	۲۱۳
۴۰	وہ دانا چند کلیوں پہ قناعت کر گئے	قاضی محمد حسین ماہمکر	۲۲۰
۴۱	ہزاروں رحمتیں ہوں اے امیر کارواں تجھ پر!	مولانا عبدالسلام نجے قاسمی	۲۲۵
۴۲	تم کیا گئے کہ محفل ہی سونی ہوگئی	مولانا عبدالسلام جو	۲۲۸
۴۳	کوکن کے محبوب	مولانا نثار احمد دروگے	۲۳۲
۴۴	حضرت مولانا سید شوکت علی نظیرؒ	مولانا ریحان مختار کردمے	۲۳۵
۴۵	موت العالِم موت العالَم	کمال الدین مانڈلیکر	۲۳۸
۴۶	کوکن کی سرزمیں کو جگا کر چلے گئے	مولانا فیصل سونڈنے	۲۴۰

سفرِ آخرت

۴۷	سانحۂ وفات	مولانا عبدالرؤف علی غیبی	۲۴۳

تعزیت نامہ

۴۸	تعزیتی خط	مولانا الیاس ندوی بھٹکلی	۲۵۰

رسائل ومجلّات

۴۹	حضرت مولانا سید شوکت علی نظیر الی رحمۃ اللہ	الفرقان	۲۵۲
۵۰	مجمع البحرین داغ مفارقت دے گئے	شاہراہ علم	۲۵۳
۵۱	تمام مکاتبِ فکر میں یکساں مقبول شخصیت	حج میگزین	۲۵۵

عرضِ مرتب

بقیۃ السلف حضرت مولانا سید شوکت علی نظیر رحمۃ اللہ علیہ اسلاف کی اُس برگزیدہ جماعت کے ایک فرد تھے، جس نے دین کے تحفظ و بقا، ملت اسلامیہ کے وقار و تشخص کی بحالی اور مسلمانوں کی دینی وملی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔

اکابر کی زندگی بعد والوں کے لیے نمونہ عمل ہوتی ہے، جس کو دیکھ کر جہد وعمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور جس سے تحریک پاکر مستقبل کو سنوارنے کی فکر پیدا ہوتی ہے۔ حضرت مولانا سید شوکت علی صاحب نظیرؒ کی زندگی، زہد وتقویٰ، خلوص وللّٰہیت، اتباع سنت وشریعت اور دینی فہم وبصیرت کا ایک اعلیٰ نمونہ تھی۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جو ان صفاتِ حمیدہ کو اپنائے۔ حضرت مولانا کی حیات مبارکہ سے پند ونصیحت حاصل کرنے اور ان کی زندگی مختلف گوشوں کو محفوظ کرنے کے لیے جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن کی طرف سے یہ خصوصی شمارہ شائع کیا جارہا ہے۔

میں سب سے پہلے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں کلماتِ حمد وشکر پیش کرتا ہوں کہ محض اسی کی توفیق سے اس کے ایک مقبول بندے کی حیات کے مختلف گوشوں کو اس شمارے میں جمع کرنے کی سعادت ملی۔ اسی کے ساتھ تمام بزرگوں خصوصاً حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا منیر احمد صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا عبدالمنعم نظیر صاحب دامت برکاتہم اور اس رسالہ میں کسی بھی طریقے سے حصہ لینے والے تمام حضرات کا تہِ دل شکرگزار ہوں کہ ان حضرات کے تعاون اور دعاؤں سے یہ شمارہ منظر عام پر آسکا۔

خدائے پاک اس ٹوٹی پھوٹی کوشش کو قبول فرمائے، مفید بنائے اور ذریعۂ نجات بنائے۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت اللتواب الرحیم

آہ! میرِ کارواں چل بسے

اداریہ

انوار احمد قاسمی مبارکپوری

شنبہ: ۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۰/ اکتوبر ۲۰۱۵ء بعد نماز ظہر جامعہ میں تعلیمی سرگرمیاں حسبِ معمول جاری تھیں، اساتذہ وطلبہ درس گاہوں میں درس وتدریس میں مشغول تھے کہ اچانک اس روح فرسا خبر نے جامعہ کے در ودیوار پر بجلی گرادی کہ جامعہ کے سرپرستِ اعلیٰ، بمبئی جامع مسجد کے امام وخطیب، بقیۃ السلف حضرت مولانا سید شوکت علی نظیر رحمۃ اللہ علیہ اللہ کو پیارے ہوگئے، یہ سنتے ہی جامعہ کا پورا ماحول سوگوار ہوگیا، اساتذہ وطلبہ سب رنج وغم کی تصویر بن گئے، جامعہ اور وابستگانِ جامعہ پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور اس انمول شخصیت کو کھونے سے ہر ایک کو اپنی یتیمی کا شدید احساس ہوا۔ حضرت مولانا کا سانحۂ ارتحال قحط الرجال کی آزمائش سے دوچار اس امت کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے، یہ دیکھ کر غم اور دوبالا ہوجاتا ہے کہ اب اس دیار میں مولانا جیسی صاحب فضل وکمال شخصیت بظاہر نظر نہیں آتی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ وَاعْفُ عَنْہُ ، وَاَکْرِمْ نُزُلَہٗ وَوَسِّعْ مَدْخَلَہٗ وَاَنْزِلْ عَلٰی رُوْحِہٖ وَجَسَدِہٖ شَآبِیْبَ رَحْمَتِکَ وَاجْعَلْہُ مِنْ عِبَادِکَ الْمُقَرَّبِیْنَ. آمین

موت یوں تو ہر انسان کو آنی ہے، اور اس کی خبریں ہمارے کانوں میں روزآنہ پڑتی رہتی ہیں؛ لیکن بعض نفوس ایسے ہوتے ہیں جن کے اس دنیا سے چلے جانے سے ایسا محسوس ہوتا

ہے کہ گویا ہمارا سب سے قیمتی سرمایہ چھین لیا گیا ہو۔ مولانا ملت بیضاء کا ایک قیمتی سرمایہ تھے، اُن کا وجود ایک رحمت تھا، اُن کے سائے سے ہمارے دل کو یہ تسلی رہتی تھی کہ ہمارے درمیان اللہ کا ایک مقبول بندہ موجود ہے جو ہم سب کے لیے خیر و برکت اور دینی وملّی کاموں کے لیے تقویت کا باعث ہے، لیکن ان کی موت نے ہر ایک کو تڑپا دیا، امت میں ایک صاحبِ دل، صاحبِ نسبت اور صاحبِ فضل وکمال شخصیت کا خلا پیدا ہوگیا، ان کے دم قدم سے جامع مسجد بمبئی میں جو رونق تھی وہ سونی پڑ گئی، جامعہ حسینیہ عربیہ کا روشن چراغ بجھ گیا اور اساتذہ وطلبہ اور ذمہ دارانِ جامعہ کے سروں سے ایک باوقار اور روشن دماغ سرپرست کا سایہ اٹھ گیا، دینی حلقوں نے ایک صاحب فہم وبصیرت اور ہمدرد وغم گسار بزرگ کو کھو دیا اور یہ سارا خطہ دینِ حق کے ترجماں اور سلف کی یادگار سے محروم ہوگیا۔

بچھڑا کچھ اِس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اِک شخص سارے شہر کو ویران کرگیا

حضرت مولانا گجرات جامعہ حسینیہ راندیر اور مدرسہ انوار العلوم احمد آباد کا علمی سفر طے کرتے ہوئے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے اُمّ المدارس دارالعلوم دیوبند پہنچے، آپ دارالعلوم دیوبند سے فیض یافتہ اس باتوفیق جماعت سے تعلق رکھتے تھے، جس نے وہاں کا انتہائی بابرکت دور دیکھا تھا، آپ کو ایسے اساتذہ سے شرفِ تلمذ حاصل تھا جو ایک طرف رسوخ فی العلم، ورع وتقویٰ، زہد وصلاح، دین کی تڑپ اور جذبۂ اصلاح میں ممتاز مقام کے ساتھ درس وتدریس کے ذریعہ امت کی نئی نسل کو سنوارنے کا فریضہ انجام دے رہے تھے تو دوسری طرف اپنی قربانیوں اور عملی جدوجہد کے ذریعے ملک وملت کی تقدیر بدلنے کے لیے سرگرمِ عمل تھے، مولانا نے اپنے زمانۂ طالب علمی کے لمحے لمحے سے فائدہ اٹھایا، اور دارالعلوم دیوبند کے علمی و روحانی ماحول میں دین وشریعت کی غذا سے اپنے علم وفکر کی جھولی بھرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا

نہیں رکھا اور مشفق اساتذہ کرام خصوصاً شیخ الاسلام حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی شفقتوں اور محبتوں کے گھنیرے سائے میں پروان چڑھ کر علم وعمل اور صلاح وتقویٰ کا اعلیٰ نمونہ بنے۔

حق تعالیٰ نے مولانا میں مختلف صفات ودیعت رکھی تھیں، وہ ایک عالم باعمل بھی تھے اور صاحبِ دل و صاحبِ نسبت بزرگ بھی، مرشد و مصلح بھی اور طبیبِ روحانی بھی، اکابر واسلاف کا نمونہ بھی اور علم وعمل کے روشن مینار بھی۔ صلاح وتقویٰ، فکر وعمل، خلوص واستغناء، اتباعِ سنت وشریعت، غیرت وحمیت، تحمل وتدبّر، اعتدال ونرم روی، اصابتِ فکر ودینی بصیرت نے ان کی شخصیت کو عجیب دلکشی عطا کی تھی۔

حضرت مولانا کی شخصیت متفق علیہ تھی، بظاہر کسی کو ان سے اختلاف وعناد نہ تھا، اُنھیں محبوبیت ومقبولیت بھی حاصل ہوئی اور وہ مرجع خلائق بھی بنے، لوگوں کی دیوانگی اور وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ وہ پروانوں کی طرح ٹوٹ ٹوٹ پڑتے تھے، لیکن ان کی تواضع وخاک ساری میں ذرا فرق نہ آیا اور وہ دنیاوی عہدوں ومناصب سے بے نیاز ہوکر ساری زندگی مسجد کے ایک حجرے میں بیٹھ کر دلوں پر حکمرانی کرتے رہے۔

مولانا کا وجود اس پورے دیار میں سرمایۂ ملت کے نگہبان کی حیثیت رکھتا تھا۔ بزرگوں کا اپنا اپنا رنگ ہوتا ہے، اللہ کے کچھ بندے بڑی خاموشی کے ساتھ تعمیرِ ملت کا کارنامہ انجام دیتے ہیں، مولانا کا شمار بھی انھیں مخلص بندوں میں تھا، وہ ہنگاموں اور بھیڑ بھاڑ سے دور رہ کر یکسوئی کے ساتھ امت کی تقدیر سنوارنے کے لیے ساری زندگی کوشاں رہے۔ مولانا ایک درد مند دل رکھتے تھے، مسلمانوں کی حالتِ زار، دین ومذہب سے ان کی دوری اور معاشرہ میں دَر آنے والی جہالت وپسماندگی اور اخلاقی بے راہ روی کا غم انھیں کھائے جارہا تھا، وہ مسلمانوں کا سرمایۂ دین وایمان بچانے اور مسلمانوں کو مسلمان بنا دینے کی فکر میں گھلتے رہتے۔ ان کا خیال تھا کہ منبر ومحراب صرف امامت وتقریر کے واسطے نہیں ہیں، بلکہ ان سے امت کی صلاح

وفلاح اور دین کے ہر شعبے میں رہنمائی کا کام لیا جانا چاہئے، آپ جامع مسجد کے ذمہ داران کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''شریعتِ محمدیہ میں امام کا مقام وفرض محض ارکان پنجگانہ کی نقل وحرکت میں پیش روی ہی نہیں، بلکہ امت محمدیہ کے لیے درپیش امور ومسائل حیات کی فکر اور امکانی جدوجہد بھی ہے —. ورنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم محض فراغتِ امامت کے بعد اپنے حجرۂ مبارکہ میں تشریف لیجاتے اور چھوٹی چھوٹی چیز خواب کو دریافت فرماتے نہ ہی اس کی تعبیر بیان فرماتے، فدا ہوں ہم سب اور ساری امت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ نے انسانی اور اسلامی زندگی کے ہر شعبہ کو واضح طور پر مکمل بیان فرمایا۔''

مولانا نے جامع مسجد بمبئی میں تقریباً ۵۲ رسال تک صرف امامت کی خدمت انجام نہیں دی؛ بلکہ اپنے قول وعمل کے ذریعے لوگوں کے لیے نمونۂ عمل بنے اور جامع مسجد بمبئی کے منبر سے دین کی تبلیغ واشاعت، بندگانِ خدا کی دینی رہنمائی، مسلمانوں کی دینی وملّی زندگی کی اصلاح، مادیت پرستی اور دنیاوی فتنوں سے متاثر لوگوں کو سنجیدہ، سلجھے ہوئے اور خیر خواہانہ اسلوب میں تشفی بخش روحانی غذا فراہم کرنے کا فریضہ انجام دیتے رہے اور نازک سے نازک مواقع پر بھی اشتعال وجذباتیت سے ہٹ کر صالح فکر اور ایمان وحکمت کے ساتھ صحیح راہ دکھاتے رہے۔ اخلاص وعمل کے نور، ایمان کی حرارت اور سنت وشریعت کی پابندی کی وجہ سے مولانا کی بات ایک خاص اثر رکھتی تھی، آپ کی تعلیم وتربیت سے بہت سے لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب آیا اور وہ صحیح فکر اور صحیح نہج پر زندگی گزارنے لگے، ہزاروں بندگانِ خدا کو دین کے جاننے سمجھنے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق ہوئی اور وہ دین وشریعت کے پابند بن گئے۔

مولانا نے حکمت وبصیرت اور احتیاط وتدبر کے ساتھ اس منصب کو جو عظمت بخشی اور جس شان ووقار کے ساتھ یہ ذمہ داری نبھائی وہ دین وملت کے حق میں کام کرنے والوں کے لیے

مشعلِ راہ ہے، وہ صلاح وتقویٰ، تواضع وخاک ساری، خلوص ومحبت اور مزاج کے توازن و اعتدال کی وجہ سے ہر حلقے میں محبوب تھے، ان کے بزرگ انھیں بے حد عزیز رکھتے، معاصر اکابر علماء بھی بڑی محبت وتعلق رکھتے، عام علماء وعوام بھی استفادہ کرتے رہتے، دعوت وتبلیغ سے جڑے احباب بھی مشورہ وملاقات کے لیے حاضر ہوتے، مدارس کے علماء وطلبہ سے بھی مولانا کا خوب ربط وتعلق رہتا، اہل سیاست بھی دعاؤں کی برکت سمیٹنے کے لیے آتے؛ لیکن یہ سارے کام اتنی خاموشی کے ساتھ انجام پاتے کہ مولانا کا نام کہیں نہ آنے پاتا اور وہ شہرت و ناموری سے دور رہ کر اپنی خدمات انجام دیتے رہے، رب کریم کے یہاں اصل قیمت تو اخلاصِ نیت کی ہوتی ہے، حضرت مولانا کے اخلاص وعمل کا نہ جانے کیا کیا اجر ان کے رب کے یہاں تیار ہوگا۔

مولانا کو اپنے علاقہ کوکن میں دینی وروحانی روح بیدار کرنے اور دینی وملی زندگی سنوارنے کی بھی خاص فکر تھی، کیوں کہ جب انھوں نے اپنی آنکھیں کھولیں تو اُس وقت اِس خطہ میں لوگوں کا دین سے تعلق بہت کم تھا، دینی روح نہ تھی، کوئی مدرسہ اور مکتب نہ تھا، جہاں سے علم کی روشنی پھوٹتی اور لوگوں کو علمی وروحانی غذا فراہم ہوتی؛ اس لیے لوگ صحیح اسلامی تعلیمات سے دور تھے، ناظرۂ قرآن پڑھنے والے بھی خال خال تھے، مولانا کو علاقے کی دینی بدحالی اور عوام کی بے عملی کا شدید احساس اور لوگوں میں دینی شعور بیدار کرنے اور دین سے تعلق ومحبت پیدا کرنے کی ایک تڑپ اور کڑھن تھی۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے علاقے میں دینی ودعوتی سرگرمیوں سے خاص دلچسپی لی، پھر ۱۹۶۴ء میں جب جامعہ حسینیہ کا قیام عمل میں آیا تو مولانا کی جان وروح گویا یہیں آبسی، مولانا کے فکر وعمل کے دائرے میں جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن کو خاص اہمیت حاصل تھی، جامعہ کے لیے وہ محنت کرتے، اس کی تعلیمی وتعمیری ترقی واصلاح کی خاص فکریں فرماتے تھے۔ جامعہ میں تشریف

لاتے اور گہرے تجربات پر مبنی اپنی عالمانہ، فاضلانہ اور حکیمانہ رائے کے ذریعہ مربیانہ رہنمائی فرماتے تھے۔ کبھی جامعہ میں کچھ حالات پیش آتے یا کوئی فیصلہ طلب معاملہ ہوتا تو اہلِ جامعہ مولانا کی خدمت میں پہنچ جاتے اور ساری اُلجھنیں ختم ہو جاتیں۔ جامعہ کے لیے ان کی شخصیت ایک سایہ دار شجر کے مانند تھی، جس کی شفقتوں کے سایے تلے جامعہ واہل جامعہ نے بڑا خوشگوار وقت گزارا، وہ حضرات اساتذہ، کارکنان اور طلبۂ عزیز کی ضروریات اور سہولیات کا بطور خاص خیال فرماتے تھے۔ حضرت مولانا کی سرپرستی میں جامعہ نے تعلیم وتربیت، دعوت واصلاح اور تعمیر وتوسیع کے حوالہ سے ترقی کے جو منازل طے کیے ہیں اور علمی دنیا میں جو نمایاں مقام حاصل کیا ہے وہ تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔

جامعہ کے قیام کے بعد اس خطے میں دینی بہار آئی، گاؤں گاؤں مکاتب اور جگہ جگہ مدارس قائم ہوئے، دعوت وتبلیغ کی خدمت کا دائرہ وسیع ہوا اور علماء وعوام اس محنت سے جڑے، علماء کی رہنمائی میں مختلف النوع دینی وعلمی، دعوتی واصلاحی، تعلیمی وسماجی اور رفاہی و خدمتِ خلق کے کام منظّم طریقے سے انجام پانے لگے۔ مولانا کے یہاں دین کے تمام شعبوں اور کاموں کی اہمیت تھی، وہ ان تمام لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتے جو دین وملت کے کسی بھی کام میں لگے ہوئے ہوں، علاقے میں دینی وعلمی، دعوتی وسماجی کاموں سے منسلک حضرات: اہل مدارس ومکاتب، احباب دعوت وتبلیغ، ملی وسماجی کارکنان حضرت مولانا سے بڑی محبت کرتے، ان کی رہنمائی وسرپرستی کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھتے اور حسبِ توفیق ان کی خدمت میں اپنے مسائل والجھنوں کو سلجھانے کے لیے حاضری دیتے اور ان کے صائب مشوروں سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے اپنے دینی وملی اور دعوتی امور انجام دیتے۔ مولانا از راہِ نوازش ان کی الجھنوں کو سلجھاتے، ان کی خدمات کو سراہتے، ان کے عزائم کو بلندی عطا کرتے، خیر خواہانہ مشوروں اور حوصلہ افزائیوں کے ذریعے ان کے جذبۂ خدمت کو پروان چڑھاتے اور

دنیا وآخرت کی کامیابی کی دعاؤں سے نوازتے تھے۔

مولانا کی دیرینہ خواہش تھی کہ خطۂ کوکن میں دینی وعلمی کام ٹھوس بنیادوں پر ہو، تحریر وتقریر دونوں کے ذریعہ مسلمانوں میں دینی شعور بیدار کیا جائے، انھیں عقائد صحیحہ سے روشناس کرایا جائے، بدعات وخرافات کی نفرت ان کے دلوں میں بٹھائی جائے، انھیں شریعت وسنت کا پابند بنایا جائے اور فکری وعملی ارتداد سے بچایا جائے۔ جامعہ کے اساتذہ وخدام کے بیانات کا سلسلہ تو علاقے میں جاری تھا، تحریری طور پر کوئی مستقل سلسلہ نہ تھا، گاہے بگاہے جامعہ کی طرف سے کوئی رسالہ یا کتابچہ منظر عام پر آجاتا تھا، اب بڑوں کے مشورہ سے یہ طے پایا کہ دین حق کی تبلیغ واشاعت کے لیے ایک مستقل سہ ماہی رسالہ ''الھادی کوکن'' جاری کیا جائے۔ جامعہ کے جواں سال وجواں عزم استاذ مولانا مفتی محمد سلمان محمد صالح سرکھوت قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے جنھیں حق تعالیٰ نے غیر معمولی عزم وحوصلہ سے نوازا تھا، اس کام کا بیڑا اٹھایا اور راقم الحروف کو اس کارِ خیر میں شریک کیا اور بہت ہی قلیل وقت میں حضرت مولانا شوکت صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبدالسلام تلیائی صاحب مدظلہ العالی کی سرپرستی میں پہلا شمارہ تیار ہوا، پھر حضرت مولانا کی خدمت میں مہتمم جامعہ مولانا امان اللہ قاسمی صاحب، شیخ الحدیث مولانا محمد ابراہیم خطیب صاحب، مولانا مفتی عمر امبیر کر، مفتی محمد سلمانؒ اور راقم الحروف کا قافلہ بمبئی جامع مسجد پہنچا، نمازِ جمعہ کے بعد حضرت مولانا شوکت صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبدالسلام تلیائی صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں تازہ شمارہ پیش کیا گیا، دونوں حضرات نے اس اہم دینی خدمت کو جاری رکھنے کی دعائیں دیں، الحمدللہ 'الھادی کوکن' گذشتہ آٹھ سالوں سے محض حق تعالیٰ کی توفیق اور ان بزرگوں کی دعاؤں کی بدولت دینی وفکری رہنمائی میں مصروف عمل ہے۔

مولانا کی پوری زندگی ہمارے لیے ایک مستقل درس موعظت تھی، ان کے چلے جانے

سے علم وفضل کا ایک روشن باب بند ہوگیا۔ اسوۂ کامل تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ہے، لیکن آپ کی زندگی کا نمونہ حق تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کی زندگیوں میں رکھ دیتے ہیں، تاکہ لوگ ان کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم کی پیروی کرسکیں۔ مولانا آج ہم سے جدا ہوگئے؛ لیکن اپنی خصوصیات وصفات کے روشن نقوش چھوڑ گئے، صلاح وتقویٰ، زہد واستغناء، حلم ووقار، غیرت وحمیت، دینی تصلب وپختگی، وسعت قلبی ورواداری، نام ونمود سے گریز، دنیا سے شانِ بے نیازی وغیرہ مولانا کی سیرت کے قابل تقلید گوشے ہیں، جنھیں قائم رکھنا اور ان پر عمل کرنا ان کے قدردانوں اور محبت رکھنے والوں سے مطلوب ہے۔ حق تعالیٰ ہمیں حضرت مولانا کی زندگی سے سبق لینے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ کی مبارک زندگی کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

رَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً، وَغَفَرَلَهُ وَاَدْخَلَهُ فِیْ جَنَّاتِ النَّعِیْمِ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقاً. اَللّٰهُمَّ لَاتَحْرِمْنَا اَجْرَهُ وَلَاتَفْتِنَّا بَعْدَهُ. آمین

پاسباں جاتا رہا — مفتی طاہر سورتی

مشفق ومحسن ہمارا پاسباں جاتا رہا — رہنما ودل ربائے کارواں جاتا رہا
جس کے دم سے گلشنوں میں تھی بہار اندر بہار — حیف! مدنی باغ کا وہ باغباں جاتا رہا
حامل علم نبوت، ماہر اسرار دیں — دہر کا وہ نکتہ سنج وراز داں جاتا رہا
پتہ پتہ بوٹا بوٹا جس کے دم سے شادماں — حسرتا وا حسرتا وہ کامراں جاتا رہا
جامعہ بمبئی کا شوکت، خطہ کوکن کا پیر — عالم اسلام کی شاں، شادماں جاتا رہا
طاہر بے کس نہ کر غم، صبر کا دامن نہ چھوڑ — وقت کا قطب وولی سوئے جناں جاتا رہا

قطبِ کوکن
حضرت مولانا سید شوکت علی صاحب نظیر
کا سوانحی خاکہ

مولانا سید عبدالمنعم نظیر صاحب

اس سے پہلے کہ حضرت مولانا سید شوکت علی نظیر رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح پیش کی جائے، خاندانِ سادات سے متعلق کچھ عرض کرنا ضروری ہے۔

خاندانِ سادات:

سادات وہی کہلاتے ہیں جن کا شجرۂ نسب حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما تک پہنچ جاتا ہے۔ حضرت حسن وحضرت حسین رضی اللہ عنہما دونوں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے جگر گوشہ ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جناب رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جگر گوشہ ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صاحب زادے تھے، عبداللہ اور ابراہیم؛ لیکن دونوں کم سنی ہی میں وفات پاگئے؛ لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد سے سلسلۂ نسب نہ چل سکا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحب زادیاں تھیں، زینب، رقیہ، اُمّ کلثوم اور فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہن، مگر پہلی تینوں صاحب زادیاں ہاشمی خاندان میں بیاہی نہیں گئیں، اس لیے اُن سے جو اولاد ہوئی وہ سادات نہیں کہلائی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ

کے چچیرے بھائی اور ہاشمی خاندان سے ہیں، اس لیے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد ہی سادات کہلاتی ہے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے کئی نکاح کیے اور ان سے کئی نرینہ اولاد ہوئی؛ مگر وہ چونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نہیں ہیں، اس لیے وہ بھی سادات نہیں ہیں، انھیں علوی کہا جاتا ہے، یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غیر فاطمی اولاد۔

یہ تو تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کی فوج نے کربلا کے میدان میں شہید کیا اور آپ کے معصوم نونہالوں کو بھی شہید کیا، صرف حضرت سید زین العابدین رضی اللہ عنہ بچے تھے، اس لیے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی نسل حضرت سید زین العابدین رضی اللہ عنہ سے چلی اور انھیں حُسَینی کہا جاتا ہے، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے کئی بیٹے تھے، جن سے اولاد ہوئی انھیں حَسَنی کہا جاتا ہے، کچھ ہی عرصہ میں خاندانِ سادات کا شجرۂ طوبیٰ کافی پھیل گیا اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کی وجہ سے سبھی اپنے وقت کے بڑے عالم اور درجۂ ولایت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، اور ان میں تبلیغ دین کا جذبہ بدرجۂ اتم موجزن تھا، اسی وجہ سے وہ ساری دنیا میں تبلیغ دین کے ارادے سے پھیل گئے اور امت کو علمی وروحانی فیض پہنچاتے رہے۔ آج دنیا کا کوئی ایسا خطہ نہیں ہے، جہاں سادات کی کوئی شاخ نہ ہو، البتہ ابتداء میں حسنی وحسینی کہلانے والے اب مختلف القاب سے جانے جاتے ہیں، مثلاً قادری، حدادی، سقاف، العیدروس، باہارون (یہ بگڑ کر بہرون ہوگیا ہے) اور بھی کئی ناموں سے جانے جاتے ہیں جیسے ہمارا خاندان نظیر کہلاتا ہے، نظیر اصلاً نضیر ہے، مگر چونکہ یہود کے قبیلہ بنونضیر سے اشتباہ ہوتا تھا، اس لیے نضیر کو نظیر سے بدل دیا گیا۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا خانوادۂ سادات کے دل میں تبلیغ دین کا جذبہ اپنے نانا جان علیہ الصلاۃ والسلام سے ورثہ میں ملا، اس لیے وہ کسی ایک خطہ میں محصور ومحدود نہ رہے، چنانچہ یمن میں بھی سادات جا بسے اور آج بھی یمن میں بڑی تعداد میں موجود ہیں، نہایت سادہ اور

صوفیانہ زندگی بسر کرتے ہیں، وہاں دینی تعلیم کا بہترین مرکز بھی ہے۔

ہمارے خاندانِ نظیر کا مرکز بھی یمن کی ایک بستی تریم ہے، ہمارے جدّ اَمجد تریم سے تبلیغ دین کے ارادہ سے ہندوستان، انڈونیشیا اور صومالیہ ہجرت کر گئے، ہمارے جدّ اَمجد سید علی صاحب نظیرؒ کے چار بھائی اور تھے، ان میں سے ایک انڈونیشیا گئے، ایک صومالیہ اور تین بھائی ہندوستان آئے۔ ابھی چند سال پہلے لندن میں نظیر خاندان کے کچھ افراد سے مختصر سی ملاقات ہوئی، دوبارہ ملنے کا اتفاق نہیں ہوا؛ مگر میں ان کی تلاش میں سرگرم رہا، بالآخر لندن کے دور دراز علاقہ میں ایک دوسرے فرد سے ملاقات ہوئی اور ان کے ذریعہ دوسرے سادات سے بھی ملاقات ہوئی جو گرچہ نظیر خاندان سے نہیں تھے؛ مگر ان کے اجداد تریم ہی سے صومالیہ گئے تھے اور صومالیہ میں بدامنی اور جنگی حالات نے یوکے (U.K.) کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کیا، ان میں ایک معمر شخص کے پاس ایک پرانے کاغذ پر مکمل شجرۂ نسب لکھا ہوا تھا جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے، بڑی حیرت کی بات یہ کہ معمر شخص کو شجرہ زبانی یاد تھا، نیز صدیوں سے اپنے وطن (عرب ملک) سے دور بستے ہوئے انھوں نے عربی زبان کو ترک نہیں کیا نہ بھولے، آپس میں عربی بولتے ہیں۔

لندن چھوڑ کر آنے سے ایک ہفتہ پہلے مجھے ٹیلی فون پر پیغام ملا کہ میں سید زین العابدین نظیر بول رہا ہوں اور تم سے ملاقات کا خواہش مند ہوں، میں نے جواب میں کہا: اہلاً وسہلاً ضرور آجایئے، چنانچہ ایک نہایت خوبرو نوجوان آئے اور اپنا تعارف کرایا، پتہ چلا کہ ہمارے جد امجد کے بھائی جو صومالیہ ہجرت کر گئے تھے، اُن کی اولاد میں سے ہیں، مل کر ہم دونوں کو بے حد خوشی ہوئی، مگر نوجوان کو یہ جان کر افسوس ہوا کہ میں چند دنوں بعد لندن چھوڑ کر وطن جا رہا ہوں، اس لیے وہ روزآنہ بلاناغہ میرے پاس آنے لگے، وہ عالم نہیں تھے، مگر چونکہ اُن کی مادری زبان عربی ہے، اس لیے وہ احادیث اور فقہ کا مطالعہ کرتے تھے اور جو بات سمجھ میں نہ

آتی مجھ سے پوچھتے تھے، اب بھی گاہے گاہے فون کر کے خیریت معلوم کرتے رہتے ہیں اور کوئی مسئلہ ہو تو دریافت کرتے ہیں۔

ہمارے جدامجد سید علی نظیر رحمۃ اللہ علیہ اپنے دونوں بھائیوں کے ہمراہ بیجاپور آکر بسے، کس سنہ میں آئے اس کا علم نہ ہوسکا، مگر سید علی صاحب نظیر کوکن میں ۱۶۳۰ء میں آئے، ایک بھائی سورت چلے گئے اور ایک بھائی بیجاپور میں رہے اور آج بھی ان کا خاندان بیجاپور میں موجود ہے، ہمارے خاندان کے ایک فرد بیجاپور جاکر ان سے ملاقات کر آئے، پھر وہ بھی کوکن میں آکر ان کے دادا کے بھائی کے مزار پر جو راجپوری میں ہے، حاضر ہو کر لوٹ گئے۔

ہمارے جدامجد سید علی صاحب نظیر رحمۃ اللہ علیہ کا کوکن میں ورود مسعود کیسے ہوا؟ تو اس کی وجہ جزیرۂ حبشان جنجیرہ مروڈ کے نواب صاحب بنے، نواب صاحب حضرت سید علی نظیرؒ سے بیعت ہوگئے تھے، کب کہاں اور کیسے، اس کا علم نہیں۔ نواب صاحب اپنے مرشد کو اپنی ریاست میں لے آئے، آپ کا ریاست حبشان جنجیرہ مروڈ میں ورود مسعود ۱۶۳۰ء میں ہوا، اس ریاست کو جزیرہ حبشانی اس لیے کہا جاتا تھا کہ اس ریاست کے والی حبش کے رہنے والے حبشی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ مروڈ گرچہ جزیرہ نہیں ہے نہ جزیرہ نما ہے، مگر مروڈ سے قریب مروڈ کی کھاڑی میں قلعہ ہے، اس کی نسبت سے جزیرۂ حبشان کہا جاتا تھا، جو اَب قصۂ پارینہ ہوگیا، نئی نسل کو اس کا صحیح علم نہیں، مگر تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ نئی نسل کو تاریخ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

قطب عالم سید علی صاحب نظیرؒ کی جزیرہ حبشان میں آمد سے اورنگ زیب عالمگیرؒ کو ایک بڑا فائدہ ہوا، عالمگیرؒ برسوں جنوبی اور مغربی ہند میں برسرپیکار تھے، مہاراشٹر کا ایک قلعہ سینہ گڈھ فتح نہیں ہو رہا تھا، عالمگیرؒ نے نواب صاحب سے فوجی مدد مانگی، نواب صاحب سدّی یاقوت خان نے سدی خیرت خان کی سرکردگی میں فوج بھیجی اور ساتھ حضرت

سید علی صاحب نظیر رحمۃ اللہ علیہ کو دعا کے لیے بھیجا، اللہ کے فضل، سید علی صاحب کی دعا اور نواب صاحب کی فوج کی محنت سے قلعہ فتح ہوگیا، عالم گیرؒ کو نہایت خوشی محسوس ہوئی اور نواب صاحب کو فرمان بھیجا کہ حضرت سید علی نظیر صاحب کو ہمارے پاس بھیج دو (یا کہ ساتھ لے آؤ) حضرت سید علی صاحبؒ عالمگیرؒ کے دربار میں پہنچے تو حضرت عالم گیرؒ نے آپ کا پُر تپاک خیر مقدم کیا، آپ کی عزت افزائی کی اور اعزازاً آپ کے خاندان کے لیے بارہ گاؤں کی جاگیر تانبہ کی تختی پر لکھ دی، ان بارہ گاؤں میں ایک بستی میندری بھی شامل تھی؛ مگر ایک درویش صفت ولی کامل کو دنیا سے کیا غرض، وہ تو بس یادِ الٰہی میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے، انھیں دنیائے فانی سے کیا سروکار۔ پھر قدرت نے کوکن میں رہنے کی زیادہ مہلت نہ دی۔ ۱۶۲۰ء میں آئے اور ۱۶۳۹ء میں دارِ فانی سے دارِ جاودانی کی طرف رحلت کر گئے۔

دوسرا اتفاق یہ ہوا کہ چھ پیڑھی تک صرف ایک ایک نرینہ اولاد ہوئی، ان کے نام حسبِ ذیل ہیں:

۱-سید عبدالرحمٰن ۲-سید ابوبکر، ۳-سید زین، ۴-سید عمر، ۵-سید حسن، ۶-سید عمر

چھٹے نمبر پر سید عمر صاحب راجپوری میں تعلیم و تربیت پانے کے بعد اپنی جاگیر کی طرف متوجہ ہوئے، مگر جاگیر پائے ہوئے دوسو سال ہوگئے تھے، اس طویل عرصہ میں ساری جاگیر ہاتھ سے نکل گئی، صرف میندری، دیگھی، اور بھاپٹ کی جاگیریں تھیں، لہٰذا سید عمر صاحب نظیر نے میندری میں سکونت کو ترجیح دی، نواب صاحب کو ان کے ارادہ کی اطلاع ملی تو ان کے لیے تین منزلہ عالی شان عمارت بنوادی، سید عمر صاحب نے میندری آنے سے پہلے اپنا گھر بسایا نہ تھا، میندری آنے کے بعد نکاح کیا اور اللہ تعالیٰ نے چھٹی پیڑھی میں سید عمر صاحب کو کثیر اولاد سے نوازا: آٹھ بیٹے اور تین بیٹیاں۔ بیٹوں کے نام یہ ہیں: سید علی، سید حسن، سید زین، سید عبد الرحمٰن، سید عبدالقادر، سید قمرالدین، سید برہان الدین، سید نورالدین —— ان آٹھ نرینہ اولاد

میں سے تین لاولد تھے اور پانچ بیٹوں کی اولاد سے میندری آباد ہوگئی۔ آج میندری میں جس قدر لوگ ہیں، اس سے زیادہ نہیں تو تقریباً اتنے ہی میندری سے اور ملک سے باہر آباد ہوگئے۔ یہ لوگ روزگار کی تلاش میں وطن سے باہر آباد ہوگئے ہیں، پہلے لوگ بمبئی جاتے تھے، پھر ایسٹ افریقہ گئے، ۶۴ء میں ایسٹ افریقہ آزاد ہوگیا تو برٹش سٹیزن ہونے کی وجہ سے یوکے میں آئے۔ اور جب گلف کا دروازہ کھلا تو دبئی، ابوظبی، قطر، بحرین، کویت اور سعودی عرب گئے، لیکن تنہا گئے اور ان کے اہل وعیال میندری میں ہی رہے اور اب اکیسویں صدی کی ترقی نے لوگوں کو تعلیمی سہولت سے فائدہ اٹھانے کے لیے پونہ، نیرول اور پنویل میں بودوباش اختیار کرنے پر مجبور کیا۔

سید عمر صاحب نظیر رحمہٗ اللہ رحمۃً واسعۃً کے پہلے بیٹے سید علی نظیر صاحب ہیں، انہی کے پڑپوتے مولانا سید شوکت علی صاحب نظیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ ۶ رجنوری ۱۹۳۲ء میں میندری میں پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا کی تعلیم وتربیت والدین کی آغوش میں ہوئی، تقریباً دس سال کی عمر کو پہنچنے تک والد صاحب کا انتقال ہوگیا، بستی میں اردو اسکول تھی، جہاں چہارم تک ہی تعلیم ہوتی تھی، اردو کا ایک ہی سبجیکٹ تھا، باقی اسباق مراٹھی میں ہوتے تھے، یعنی حساب، جغرافیہ اور تاریخ وغیرہ، مگر لاہور کی چھپی ہوئی اردو کی کتاب زبان وادب کی لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی ہوتی تھی، جزیرۂ حبشان میں تمام مدارس میں لاہور کے انجمن حمایۃ الاسلام کی چھپی ہوئی اردو کی کتابیں اور دینیات بھی پڑھائی جاتی تھیں، اس طرح دینی اور عصری تعلیم دونوں اکٹھی ہوتی تھی، عربی کا قاعدہ اور قرآن کے پانچ پارے پڑھائے جاتے تھے۔

مولانا کے استاد سید علی صاحب نظیر بڑے قابل استاد اور نہایت ہی دین دار تھے، اور ان کی دلی خواہش تھی کہ اپنے خاندان میں علماء پیدا ہوں۔ مولانا سے پیشتر ان کے سسر مولانا سید ابوالحسن اور چچا مولانا سید عبدالرزاق نظیر صاحب عالم تھے، اور مولانا سید علی احمد صاحب

اور مولانا کے ساڑھو مولانا سید احمد صاحب اور خاندان کے ایک فرد سید محمد نظیر ڈابھیل میں زیر تعلیم تھے۔ مولانا یوں تو ذہین وفطین تھے ہی اور شفیق استاد کی تربیت نے جیسے اس کو تراشا تھا، ان کی نگاہ میں مولانا کا مستقبل تابناک دکھائی دیتا تھا، ویسے مشہور ہے ''ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات'' استاد محترم ان کا انتخاب علمِ دین کے لیے دل ہی دل میں کر چکے تھے، جونہی اسکول کی تعلیم مکمل ہوگئی، مولانا کو راندیر کے مدرسہ جامعہ حسینیہ میں داخل کرادیا۔

مولانا نے جامعہ حسینیہ راندیر میں چند برس تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ میں اختلاف وانتشار پیدا ہونے کی وجہ سے مدرسہ حسینیہ ترک کرکے کچھ عرصہ احمد آباد کے مدرسہ میں تعلیم پائی، پھر دارالعلوم دیوبند گئے اور وہیں عالمیت کی تکمیل کی۔ مولانا خوش قسمت رہے کہ انھیں دورۂ حدیث میں بخاری شریف کا درس شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے لینے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے قطب تھے اور مشہور ہے کہ اولیاء کی صحبت انسان کو ہیرا بناتی ہے اور مولانا واقعی ہیرا بن کر دارالعلوم سے فارغ ہوئے۔ فراغت کا سال ۱۹۵۴ء رہا ہے۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مولانا وطن واپس لوٹ آئے۔ آپ کا نکاح مولانا سید ابوالحسن صاحب کی صاحبزادی سے ہوا، ان سے دو بچے ہوئے، ایک لڑکا اور ایک لڑکی، لڑکا بقید حیات ہے، مگر لڑکی کم عمری میں فوت ہوگئی۔

مولانا نے بمبئی میں پرانا بنگالی پورہ کی شافعی مسجد میں دو سال امامت کی، پھر انھیں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے مہتمم مولانا سعید بزرگ صاحب نے جامعہ میں تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ ان کے تعاون کے لیے طلب کیا، اس لیے ۱۹۶۰ء میں آپ ڈابھیل کے جامعہ میں خدمات انجام دینے کے لیے چلے گئے، مگر دو ہی سال بعد جامع مسجد بمبئی کے امام وخطیب مولانا غلام احمد خطیب اور انجمن اشاعت الاسلام اہالینِ کوکن بمبئی کی درخواست واصرار پر